مولانا سعید الرحمٰن علوی

عقیدہ محفوظیّت قرآن

یہ مقالہ مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی نے محاضراتِ قرآنی کے خصوصی اجلاس منعقدہ اکتوبر ۱۹۸۳ء میں پیش فرمایا۔

انجمن خدام القرآن لاہور وطن عزیز کا ایک مؤقر ادارہ ہے جو قرآن عزیز کی اشاعت و ترویج میں مصروف ہے اور رجوع الی القرآن کے لئے جدوجہد کر رہا ہے۔ اس جدوجہد کا ایک حصہ وہ محاضرات ہیں جن کا اہتمام سال میں ایک بار کیا جاتا ہے تاکہ اہل علم و دانش باہم مل بیٹھ کر مختلف قرآنی موضوعات پر ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ ہو سکیں۔

امسال اس نوع کا یہ دوسرا پروگرام ہے جس کے لئے پڑوسی ملک ہندوستان سے اہل علم کا ایک قافلہ تشریف لایا ہے۔ اس قافلہ کا ایک ایک فرد علم و فضل کے اعتبار سے اپنی مخصوص حیثیت کا حامل ہے۔

اس قافلہ کی آمد پر پاکستانی طلبہ کے ایک حقیر نمائندہ کے طور پر جہاں میں ان ارباب علم کو خوش آمدید کہتا ہوں وہاں انجمن کے صدر اور دوسرے رفقاء کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اس سیمینار کا اہتمام کیا اور اہل پاکستان کو موقعہ فراہم کیا کہ وہ ایسے منتخب اہل علم سے استفادہ کر سکیں۔

ان محاضرات کے لئے انجمن کے ارباب حل و عقد بالخصوص ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مجھے بھی ایک مقالہ کی تیاری کا ذمہ دار ٹھہرایا جسے یہاں پڑھا جا سکے۔ موضوع کا معاملہ میرے اوپر چھوڑ دیا گیا تو میں نے بڑی سوچ بچار کے بعد اس موضوع کو اختیار کیا

حضور نبی مکرم رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اصحابہ وسلم کے دورِ سعادت میں جب یہ قرآن نازل ہو رہا تھا تو کفار و مشرکینِ مکہ قرآن پر طرح طرح کے الزامات لگاتے، اسے نبی کریم علیہ السلام کا کلام بتاتے، ایجادِ بندہ کہتے اور مختلف حیلوں بہانوں سے اس کے معاملہ میں لوگوں کو برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن ان کی ایک نہ چلتی۔ اس

لئے کہ یہ کلام الٰہی تھا۔ اس کا محافظ خود ربّ کائنات تھا۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر) لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ (القیامہ) ان لوگوں نے ایک مرحلہ پر یہ کوشش بھی کی کہ قرآن میں ترمیم و تبدیلی کی کوئی شکل پیدا ہو جائے۔ اس سلسلہ میں باقاعدہ حضور علیہ السلام سے انہوں نے گفتگو کی۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک خوفناک چال تھی۔ اس کے ذریعہ بھی وہ قرآن کا اعتماد مجروح کرنا چاہتے تھے لیکن نبوی فراست کے سامنے ان کا یہ داؤ بھی نہ چل سکا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی بروقت رہنمائی کر کے آپ پر واضح کر دیا کہ ان کی اس خواہش کا جواب یوں دیں کہ مَا يَكُوۡنُ لِيۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِيۡ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَيَّ اِنِّيۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّيۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ (یونس) ــــــ!!

اس قسم کے مراحل سے گذرنے کے بعد اللہ کا دین مکمل ہوا اور قرآن عزیز حفاظتِ ربانی میں تکمیل کو پہنچا۔ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِيۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا۔ کا اعلان دنیائے کفر و ضلالت کے لئے ایک برق و رعد تھا جس نے ان کے خرمنِ ضلالت کو بھسم کر کے رکھ دیا۔ اب ان کے سامنے کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ اس صحیفۂ ربانی کو نابود کر سکتے۔ صحابہ علیہم الرضوان نے اپنا خون دے کر اور تمام صلاحیتیں خرچ کر کے اس کی حفاظت کی، اسے چار دانگِ عالم میں پھیلایا اور یہ اس کا لازوال معجزہ تھا کہ مختلف بولیاں بولنے والے اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے اس کلام سے یکساں تعلق رکھتے جس زبان میں یہ نازل ہوا اس میں اسے پڑھتے اور اپنی روح کی تازگی کا سامان فراہم کرتے۔ تا آنکہ معتزلہ اسکول نے بعض عباسی حکمرانوں کی سرپرستی میں اس کے کلام الٰہی ہونے کے عقیدہ کو چیلنج کر کے ایک نازک صورت پیدا کر دی لیکن اللہ تعالیٰ کی ان گنت رحمتیں نازل ہوں امام دعوت و عزیمت حضرت امام احمد بن حنبل قدس سرہٗ اور ان جیسے چند دوسرے جاں نثارانِ حق پر کہ انہوں نے وقت و اقتدار کی ہر تلخی برداشت کر کے قرآن کے معاملے میں اپنی ذمہ داریاں پوری کیں اور اس طرح معتزلہ کی بھڑکائی ہوئی آگ بجھ کر رہ گئی اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا عقیدہ پوری قوت سے ابھرا اور آج تک ایک ارب سے زائد کلمہ گو سے سینہ سے لگائے ہوئے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی تیرہ بختی

قطع نظر امت کی تاریخ میں دو ہی طبقے ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے دعوائے اسلام کے باوصف ان مسلمات کو جھٹلایا جو قرآن کے معاملے میں طے شدہ تھے۔ ایک معتزلہ جن کا ذکر مختصراً آپ نے سنا تفصیل مطلوب ہو تو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت ملاحظہ فرمالیں ـــــ دوسرا طبقہ جس نے ادعائے اسلام کے باوجود قرآن کو اپنی مشقِ ستم کا نشانہ بنایا اور اس کی محفوظیت کے عقیدہ کو چیلنج کیا وہ طبقہ ہے حضرات اہلِ تشیع کا۔ جن کے متعلق اس وقت کسی قدر تفصیل سے کچھ گذارشات پیش کرنی ہیں۔ یقین جانیں کہ اس سے ہمارا مقصد بعض برادران اہلسنّت کو اس نازک صورت حال کی طرف متوجہ کرنا ہے جو حاملین قرآن ہونے کے ناطے سے ان کی ذمہ داری ہے۔ ورنہ کسی طبقہ یا فرقہ سے ہمیں بغض ہے نہ عناد!

ہم تو محض چمن میں اپنی شاخ کی سلامتی کے خواہاں ہیں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ صیاد رہتا ہے یا نہیں! ظاہر ہے کہ جو طبقات پہلے دن سے موجود ہیں انہیں بیک قلم ختم کرنا نہ ہمارے بس میں ہے نہ ہماری یہ کوشش و خواہش ہے ہم تو صرف اپنے بھائیوں کو حقائق سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ کسی وقت کسی پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اپنی متاع کو اپنے ہاتھ سے کھو نہ بیٹھیں۔

اس لئے درخواست ہے کہ ہماری معروضات کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سنیں۔ اور سن کر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر کے دوست دشمن کی تمیز پیدا کریں کہ دنیا میں کسی قوم کی حیاتِ اجتماعی کا انحصار اسی پر ہے ـــــــ اللھم وفقنا لما تحب وترضی

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے کسی نہ کسی شکل میں شیعہ اسکول موجود ہے لیکن حالیہ ایرانی انقلاب کے بعد اسے عالمی سطح پر کچھ زیادہ ہی اہمیّت حاصل ہو گئی ہے۔ عام اہلِ اسلام جو اس طبقہ کے حقیقی معتقدات اور تاریخی طور پر اس کے کردار سے واقف نہ تھے وہ تو اس انقلاب کے پیشِ نظر کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آنے لگے ہیں لیکن ستم یہ ہے کہ بعض اہلِ علم و دانش اس انقلاب کو اسلامی انقلاب کہہ کر وکیل صفائی اور مفت کے ترجمان کا فرض ادا کرنے لگے اور اب تک کر رہے ہیں۔ انہوں نے شیعہ معتقدات اور موجودہ انقلاب ایران کے بانی جناب خمینی صاحب کے ذاتی نظریات و افکار وغیرہ سب سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور دنیا کو ایسا باور کرانے پر مشغول ہیں گویا خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور واپس آگیا ہے

ہمارے یہاں کی ایک نیم سیاسی اور نیم مذہبی جماعت نے اس انقلاب کی اسلامیت کو لوگوں کے حلق سے اتارنے میں خاصا رول ادا کیا ہے اور یہاں کی شیعہ آبادی نے اس انقلاب کی بنیاد پر جس نوع کی حرکات کی ہیں ان سے البتہ بعض لوگ ضرور چونکے ہیں اور ان میں ایک طرح کا تجسس پیدا ہونے لگا ہے کہ معلوم کیا جاسکے کہ شیعہ کی اصل ہے کیا ؟ بقول ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' ہمارے یہاں مختلف طبقات کے اختلاف بعض فقہی نوعیت کے ہیں' عقیدہ کا اختلاف ابتدا میں شیعہ اور سُنّی کے درمیان ہی ہوا ۔ (سانحہ کربلا صفحہ ۲۵) اس لئے بھی اس عنوان پر گفتگو ضروری ہے ۔

اس مختصر وقت میں یہ تو مشکل ہے کہ شیعہ کے تمام معتقدات پر تفصیلی گفتگو کی جائے لیکن ہم کوشش کریں گے کہ موٹی موٹی تفصیلات عرض کی جاسکیں اور بالخصوص اس انجمن و ادارہ کی مناسبت سے قرآن عزیز کے متعلق شیعہ اسکول کے عقائد و نظریات زیر بحث آئیں گے ۔ ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ یہ اسکول بنیادی طور پر ایک پولیٹیکل پارٹی ہے جو اسلام کے ابتدائی دور سے مخصوص انداز سے سرگرم عمل ہے ۔ قرآن عزیز کی وہ تفصیلات جو اس نے دورِ نبوی کے بگڑے ہوئے یہود اور منافقین کے متعلق نقل کی ہیں انہیں سامنے رکھا جائے تو کل کے نفاق اور آج کے تقیہ میں ایک خاص مناسبت نظر آئے گی ۔

حضور نبی مکرّم قائدنا الاعظم محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہٗ کی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں جن لوگوں کے سیاسی مفادات متاثر ہوئے انہوں نے کفار و مشرکین مکہ سے سانٹھ گانٹھ کرکے مسلمانوں کو جنگی میدانوں میں ختم کرانا چاہا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کے سبب ایسا نہ ہوسکا تو انہوں نے اپنی منافقانہ سرگرمیاں تیز تر کردیں اور حضور علیہ السّلام کے قتل کے کئی ایک منصوبے تیار کئے تاہم ان کی مشکل یہ تھی کہ وحی الٰہی ان کے ہر پروگرام اور سازش کو طشت از بام کردیتی اور انہیں منہ کی کھانا پڑتی ۔

ارتحالِ نبوی کے سانحہ شدیدہ کے بعد انہوں نے مسئلہ خلافت کو بنیاد بناکر اسلام اور اسلامی جماعت کو سبوتاژ کرنا چاہا لیکن حضرات امامنا الاکبر سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست و استقامت نے امّت کو اس وار سے بچالیا اور توفیقِ الٰہی نے جناب صدیق کو وہ راہ سجھائی کہ دشمن کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا ۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوران کے لئے اور مشکل کا باعث بنا اور وہ کسی نوع کی سرگرمیوں کا مظاہرہ نہ کرسکے ۔ اُدھر ایران میں

ایرانی حکومت ختم ہو کر رہ گئی ۔ اور مجوس کا غرور خاک میں مل گیا۔ مدینہ کے یہود اور ایران کے مجوس نے معلوم ہوتا ہے آپس میں گٹھ جوڑ کر کے اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو ختم کرنے اور اسے روکنے کی کوشش کی، اس مرحلہ پر ایک ایرانی غلام کے ہاتھوں حضرت فاروق اعظم کی شہادت اور اس قاتل کو بابا شجاع کے نام سے شیعہ اسکول میں قومی ہیرو کی حیثیت حاصل ہونا ہمارے خدشات کی بنیاد ہے ـــــ عید مباہلہ کے عنوان سے اس دن کو تقریبات دراصل اسی مجوسی غلام زادہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے منائی جاتی ہیں جو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔ ایسے ہی ۱۸ ذوالحجہ کو عید غدیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خوشی اور امام جعفر کے کونڈے مرگِ معاویہ کی مسرت کے طور پر تیار کئے جاتے ہیں ۔ (عیاذاً باللہ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت جن حالات میں ہوئی اور آپ نے جس صبر و حوصلہ اور تحمل و بردباری سے موت کو خوش آمدید کہا وہ حضرت عثمان کا وہ اعزاز ہے کہ باید و شاید اور ظاہر ہے کہ یہاں وہی ہاتھ مصروف کار تھا جو خلافت کو نبی علیہ السلام کے گھرانے کی چیز کہتا تھا، اب حالات کی تہ در تہ کروٹوں اور بالخصوص ۶۱ھ کے واقعہ کربلا کی افسانوی حیثیت نے اس اسکول کو منظم کر دیا اور اپنی سیاسی حکمتِ عملی کو انہوں نے مذہب اور مذہبی معتقدات کی آڑ میں پھیلانا شروع کر دیا ۔

اسلام سے ان کے تعلق کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ بدر میں بطور غنیمت ابوجہل یا منبہ بن الحجاج کی جو تلوار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اپنے لئے مخصوص فرمائی جیسا کہ طبقات ابن سعد ص ۳۶۸، ج ۱، ص ۲۷۲، ج ۲، طبری ص ۵۰، ج ۱ اور منہاج السنۃ ص ۱۷۱، ج ۳ میں تصریح ہے اسے یار لوگوں نے آسمان سے بواسطہ جبریل امین علیہ السلام کی لائی ہوئی تلوار بنا دیا جیسا کہ امام رضا کے حوالہ سے الشافی ترجمہ اصول کافی ص ۲۶، ج ۱ میں ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کا قبضہ چاندی کا تھا ۔

امامیہ دینیات درجہ اوّل ص ۵ پہ ہے کہ اسلام کو نبی کے بعد ہمارے بارہ اماموں نے برقرار رکھا ـــــ شیعہ جن بارہ ائمہ کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں، ان میں سے بارھویں تو ہنوز غائب ہیں اور جب آئیں گے تو بقول ملا باقر مجلسی، سب سے پہلے ان کی بیعت حضور نبی کریم علیہ السلام کریں گے (حق الیقین ص ۳۴۷، مطبوعہ ایران) یہ ائمہ وہ ہیں جنہیں خدا نے امام بنایا۔

رسول اکرمؐ نے بتلایا انہیں بھی معجزات ملے اور جو شخص امام کو چھوڑ دے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی (امامیہ دینیات ص۱۳ ج ۱) ان کے لئے معصوم ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا معصوم ہونا نبی کے لئے ضروری ہے (امامیہ دینیات ص۱۷ ج ۲)۔ یہ ائمہ انبیاء، اوصیاء اور ملائکہ سے افضل ہیں (الفصول المہمہ لحر العاملی ص۱۵۲) اور کتاب الحجۃ من الاصول ص۱۷۵ ج ۱ پر بھی تصریح ہے کہ امامت نبوت و رسالت سے برتر ہے۔ ایرانی انقلاب کے سربراہ جناب خمینی کی کتاب حکومت اسلامی ص۴۲ مطبوعہ لاہور میں بھی اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعہ حضور علیہ السلام پر لازم کیا کہ وہ حضرت علی کی خلافت کے تعین کا اعلان کریں۔ یہ الگ بات ہے کہ بقول خمینی صاحب حضرت علی کچھ نہ کر سکے حتیٰ کہ کوفہ کے ظالم قاضی شریح کو بھی معزول نہ کر سکے (حکومت اسلامی ص۱۱۹) شیعہ حضرات اپنے اس عقیدہ میں اتنا غلو رکھتے ہیں کہ جناب مہدی جو بقول ان کے بارہویں امام ہیں اور اب ان کی عمر گیارہ سو سال ہو چکی ہے ان کی امامت پر قرآن سے دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔ جنمیں سے پہلی دلیل سورۂ رعد کی آیت ہے۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اور یہ بات شیعہ دینیات برائے درجہ پنجم کے گیارہویں سبق میں ہے جو ادارہ تنظیم المکاتب پاکستان کراچی نے شائع کی۔

امام آخر کا یہ حال ہے تو امام اول کا کیا حال ہوگا؛ چنانچہ البرھان فی تفسیر القرآن ص۲۲۶ ج ۴ پر ہے کہ

"حضور علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا" اے میرے رب اپنے بندے علی کے صدقے گنہگاروں کو معاف کر دے ـــــ مزید لکھا ہے کہ نبی کی پیدائش آسمان وزمین کے نور سے ہوئی لیکن علی کی پیدائش عرش و کرسی کے نور سے اور علی عرش و کرسی سے اعلیٰ و افضل ہیں۔"

امامت کے ساتھ حضرت علی کی خلافت کے متعلق بقول شیعہ قرآن کی بہت سی آیتیں اور حضور کی بہت سی حدیثیں ہیں ـــــ اور یہ کہنا کہ آپ انتقال کے وقت کسی کو خلیفہ بنا کر نہیں گئے۔ آپ کی بے داغ سیرت کو داغدار بناتا ہے ـــــ اور یہ کہ جو علی کو نبی کا خلیفہ بلافصل مانے گا۔ خدا اسی کو دوست رکھے گا (امامیہ دینیات درجہ پنجم دسواں سبق)

خلافت و امامت اور ائمہ کی معصومیت کے بعد شیعہ عقائد میں تولّا اور تبرّا

کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کا مفہوم امامیہ دینیات درجہ اوّل ۲۳ ویں سبق کے بقول یہ ہے کہ تولاّ نام ہے خدا، رسول اور امام سے محبت کرنا اور تبرّا ہے ان کے دشمنوں سے نفرت کرنا۔

اب تقیہ کی طرف آئیں جو اس اسکول کا عظیم الشان عقیدہ ہے اور ائمہ فرماتے ہیں کہ

"تقیہ ہمارا اور ہمارے آباء کا دین ہے نیز جس کا تقیہ نہیں اس کا دین نہیں۔"

(الخطوط العریضہ صہ ۵۵ مطبوعہ مدینہ منورہ)

اور "الاسلام سبیل السعادۃ والسلام صہ ۱۰۹ پر ہے کہ جب مکلّف کو اپنے جان و مال میں ضرر کا خطرہ ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کرنا اس پر واجب ہے آخر میں ہے: وھذا الحکم من مخصصات الشیعۃ ویسمّی بالتقیۃ

اور معصوم بچّوں کو پڑھائی جانے والی دینیات برائے درجہ پنجم میں ہے کہ بے دینوں کے سبب دین دار کی زندگی خطرہ میں ہو تو تقیہ کا حکم ہے۔ تقیہ خدا اور رسول کی نظر میں بُرا نہیں حتّٰی کہ قرآن کریم میں مومن آل فرعون کے واقعہ سے تقیہ پر استدلال کیا گیا ہے۔ (دیکھیں ۲۵ واں سبق)

جناب خمینی صاحب جیسے انقلابی لیڈر بھی اپنے ائمہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ ایسے حالات کا شکار رہتے کہ صحیح حکم بیان نہیں کر پاتے تھے اور یہ کہ یہ تقیہ مذہب کی بقا کیلئے تھا۔ (حکومتِ اسلامی صہ ۲۰)

اسی قسم کے اعتقادات اپنا کر یہ گروہ زیرِ زمین مصروفِ عمل رہا اور جب اور جہاں اسے موقع ملا اس نے اہلِ اسلام کی جڑوں پر تبر چلایا۔ خلافتِ بنو عباس سے بھی شیعہ خوش نہ تھے کیونکہ عباسی حضرات کے جدِّ اعلیٰ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق رجال کشی صہ ۵۲ پر ہے کہ فَلَبِئْسَ الْمَوْلٰی وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ کی آیت ان کے حق میں نازل ہوئی۔ اسی طرح مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ان کے حق میں نازل ہوئی (رجال کشی صہ ۵۲) اور حضرت عباس کے صاحبزادگان ذوی القدر حضرت عبداللہ اور حضرت عبید اللہ کے متعلق اسی رجال کشی کے صہ ۵۲ پر ہے کہ جناب امیر نے ان پر لعنت کی۔ ان حالات میں اور اس قسم کے نظریات کے بعد ناممکن ہے کہ شیعہ بنو عباس سے راضی ہوں۔ جہاں تک بنو امیہ کا تعلق ہے اسلام کے لئے ان کی خدمات، رسول اکرم علیہ السلام کا ان پر بالخصوص حضرت عثمان، حضرت ابوسفیان، حضرت یزید بن ابی سفیان اور حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتماد،

پھر خلافت کے مختلف ادوار میں ان کی خدمات اور اربابِ عزیمت کی طرف سے ان کا اعتراف ہونے کے باوصف شیعہ انہیں معاف کرنے کو تیار نہیں ـــــ اور وہ تو رہے ایک طرف، بنو عباس تک ان سے نہ بچے اور موقعہ ملنے پر شیعہ وزراء نے بغداد اور سلطنت بنو عباس کی تباہی کا پورا سامان کیا جس پر سعدی مرحوم نے المناک مرثیہ لکھا اور کہا کہ ملکِ بغداد کے زوال پر آسمان خون کے آنسو روئے تو بجا ہے۔

پھر اسی پر بس نہیں برعظیم کی سب سے زیادہ شاندار اور مستحکم حکومت اسی طبقہ کی ریشہ دوانیوں کے سبب بربادی کا شکار ہوئی۔ میری مراد مغلیہ سلطنت سے ہے جس کے عظیم المرتبت حکمران غازی اورنگ زیب عالمگیر کے بعد حالات روبہ زوال ہونا شروع ہوئے اس سلسلہ میں سید عبداللہ اور حسین علی جو سید برادران کے نام سے معروف تھے ان کا رول بڑا اہم ہے۔ جنہوں نے کسی بادشاہ کو جب ناپسند کیا تو نہ صرف اسے تخت سے اتر دیا بلکہ بعض کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں تو بعض کو حوالۂ زنداں کر کے المناک حالات سے دوچار کیا۔ اس خطہ میں ادھر میں ایرانی عقائد وافکار نے جو رنگ جمایا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لکھنؤ جسے چھوٹا ایران کہنا مناسب ہے، کے دو فاضل بزرگ ملا عبدالعلی بحر العلوم اور ملا حسن فرنگی محلی تعزیہ کے ایک قضیہ میں ایسے خارج البلد کئے گئے کہ پھر انہیں سرزمین وطن دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔
(زوالِ سلطنتِ مغلیہ ص۱۳، ص۱۶، ص۲۷، ص۲۸)۔

اور اگر آپ تازہ حالات کا جائزہ لیں تو شیعہ اپنے پولیٹیکل مقاصد کے لئے جو کچھ کر رہے ہیں اس پر آپ کو حیرت ہوگی لیکن یقین جانیں کہ ہمیں ذرا برابر حیرت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری غفلت و مدہوشی نے ہمیں یہ روزِ بد دکھلایا ہے ـــــ اور اب ہم کونسا سنبھل گئے ہیں کہ ہم سوچیں کہ چلو کل تک جو ہوا سو ہوا اب ہم عقل و خرد سے کام لیکر چلیں گے۔

خمینی صاحب جو اس وقت دنیا بھر کی شیعہ آبادی کے قائد و امام کا رول ادا کر رہے ہیں اور جن کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں کہ وہ امام آخر الزماں کی آمد تک قائم رہیں، ان کے ایران سے ترکمانی قبائلی محض سُنّی ہونے کے جرم میں ظلم سہہ سہہ کر اب روس کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ ابتدا میں روس نے انہیں روکا بھی لیکن پھر اپنی سرحدیں کھول دیں اور یہ گویا تاریخ میں پہلا موقعہ ہے کہ روس کی ایران سے ملنے والی ۲۵۳۵ کیلو میٹر لمبی سرحد کھولی گئی ہے

لیکن خمینی صاحب ہیں کہ ٹھنڈے دل سے اپنے آپ کا جائزہ لینے کے بجائے یہ الزام لگا رہے ہیں کہ یہ لوگ کافر اور وحشی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کا بھیس اختیار کر رکھا ہے۔

ــــــ واحسرتا! (تعمیرِ حیات لکھنؤ ۱۰ اکتوبر ۸۳ء)

اور ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ کی اشاعت ستمبر ۸۳ء کے بقول ایران کے سرکاری مہمان خانۂ بزرگ (استقلال ہوٹل) میں ٹھہرے ہوئے بیرونی مہمان اس قسم کے بینر بالعموم دیکھتے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے۔

سَنَتَحِدُ وَسَنَتَلَاحَمُ حَتّٰی نَسْتَرِدَّ مِنْ اَیْدِی الْمُغْتَصِبِیْنَ
اَرَاضِیْنَا الْمُقَدَّسَۃَ الْقُدْسَ وَالْکَعْبَۃَ وَالْجَوْلَان۔

کہ ہم متحد ہوں گے اور جنگ آزما ہوں گے یہاں تک کہ غاصبوں کے قبضے میں سے
اپنی مقدس زمینیں یعنی بیت المقدس، کعبہ اور گولان واپس لے لیں۔

اور روزنامہ 'جسارت' کراچی کی اشاعت مجریہ ۲۰ اکتوبر ۸۳ء کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جو جماعت اسلامی کے اہم رکن خلیل حامدی صاحب کے ارضِ مقدس کے مکتوب سے لیا گیا ہے۔

"۱۴ ستمبر کو یہاں ذوالحجہ کی ۷ تاریخ تھی۔ منیٰ میں روانگی کے لئے درمیان میں ایک دن رہ گیا تھا اس وقت نہ صرف حرم شریف بلکہ ارد گرد کی سڑکیں، راستے اور محلے انسانوں سے بھرے پڑے تھے۔ طواف اور سعی میں شدید ہجوم تھا۔ ان حالات میں دس بجے صبح سے ایرانیوں نے عزیزیہ سے حرم شریف تک ایک جلوس نکالا اور حرم شریف میں اندھا دھند داخل ہو گئے۔ ان کی زبان پر یہ نعرے تھے، امریکہ اور اسرائیل مردہ باد، خمینی راہبر و رہنما، انقلاب انقلاب اور آزادیٔ قبلتین ہدف ما ـــ ان لوگوں نے ہاتھوں میں امام خمینی کی تصاویر اٹھا رکھی تھیں"

حامدی صاحب کہتے ہیں کہ:

"یہ چیزیں تاریخِ حرم میں کبھی حرم شریف کے اندر دیکھنے میں نہیں آئیں"۔

سوچیں کہ حرم کے اندر یہ ہنگامہ برپا کرنا اور آزادیٔ قبلتین یعنی بیت المقدس اور مکہ معظمہ کی آزادی اور انہیں کافروں کے تسلط سے آزاد کرانے کے نعرے اور سوچ کس بات کی غماز ہے!

حامدی صاحب کے ایک دوسرے ہم مسلک صلاح الدین صاحب مدیر جسارت نے اپنے دورۂ ایران کی جو یادداشتیں مرتب کی ہیں انہیں انہوں نے بعض ایسے اشارات کئے ہیں جو قابلِ غور ہیں ۔ مثلاً انہوں نے لکھا ہے کہ اب وہاں خمینی صاحب کے محافظوں کی تعداد شاہ کے محافظوں سے دوچند ہے ۔ ان کی رہائش گاہ کے چاروں طرف دو دو فرلانگ تک کا علاقہ مکمل طور پر خالی ہے اور یہ کہ عراق ایران جنگ خمینی صاحب نے ضرورت کے تحت جاری رکھی ہوئی ہے تاکہ ایرانی فوجیں مشغول رہیں اور صدام کا تختہ الٹ کر ایک نئی فتح کا کریڈٹ حاصل کیا جائے اور جوشِ انقلاب کو برقرار رکھا جائے ۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ راشن بندی کے جملہ اخراجات آیت اللہ صاحبان کے سپرد کر کے جبر کی مکروہ صورت پیدا کر دی گئی ہے اور سزاؤں میں بے اعتدالی کا ایسا ریکارڈ قائم کیا گیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی ۔ نیز شخصیت پرستی کے جنون نے خمینی صاحب کا فوٹو مسجد کے محراب تک پہنچا دیا ہے اور اللہ اکبر کے ساتھ خمینی رہبر کا نعرہ عام ہے ـــــ اس کے ساتھ انہوں نے شیعہ تعصب کی طرف توجہ دلائی ہے ۔
جو ہمارے یہاں کے مداحانِ خمینی کے لئے ایک تازیانہ ہے ۔ مثلاً بقول جسارت انتخابات ہوئے تو سنی کردستان اور سنی بلوچستان کے اکثریتی علاقے اس حق سے محروم رہے اور تہران جیسے بڑے شہر میں ایک سنی مسجد تک نہیں ـــــ اس کے باوجود پروپیگنڈے کے میدان میں کہا جاتا ہے کہ شیعہ اور سنی کے درمیان کوئی اختلاف ہے ہی نہیں (بیانِ خمینی برائے حجاج ص۱۱) ـــــ اور خمینی صاحب ایسی بات کہیں تو تعجب نہیں ، تعجب ہے ان لوگوں پر جو خواہی نخواہی وکیل صفائی کے روپ میں دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں ـــــ

خلیل حامدی صاحب اور صلاح الدین صاحب کے ایک ہم مسلک نے الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی کے ترجمہ کے ساتھ اپنے مقدمہ میں انہیں "حقیقی اسلامی قائد بتایا ہے جو شیعہ سنی اختلافات سے بالاتر ہیں ۔ (ص۱۳) اور انہوں نے اس " اسلامی انقلاب " کو دنیا بھر کے اسلامی انقلابات کا ہراول دستہ بتلایا ہے جس کے ذریعہ بقول ان کے گلشنِ اسلام میں بہار آگئی ہے (ص۱۳) بقول ان کے ان کا فکری رشتہ علامہ اقبال ، مولانا مودودی ، حسن البنا شہید سید قطب اور ڈاکٹر علی شریعتی سے ملتا ہے ۔ فلہٰذا یہ ہمارا سرمایہ ہے ۔ (ص۱۸ ، ۱۹)
اور اس کتاب میں ص۲۸ پر یہ بھی اظہار کیا گیا ہے کہ علامہ خمینی کی اسلامی تحریک مکمل اور جامع اسلامی تعلیمات کی علمبردار ہے ۔ جس اسکول کے خمینی صاحب نمائندہ بلکہ عالمی قائد ہیں

اس کے عقائد کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ فرمائی اور قرآن عزیز کے متعلق ان کے تصورات ابھی آیا چاہتے ہیں پھر ان کا ملک و بیرون ملک کردار اور کعبۃ اللہ کی آزادی کے نعرے دیکھنے اور سننے کے بعد انہیں اسلامی انقلاب کا قائد کہنا عجیب سی بات ہے جس کی توجیہ ہماری سمجھ میں کم از کم نہیں آتی ۔

اسرائیل کے خلاف ان کے نعرے تو بہت ہیں لیکن موجودہ جنگ میں ایران اسرائیل گٹھ جوڑ کا آسانی سے انکار ممکن نہیں۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور کی اشاعت مجریہ ۲۲ اپریل ۸۴ء میں عربی ہفت روزہ (المجلہ) کے ایک مضمون کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ وہ مضمون اس حقیقت کا مظہر ہے کہ در پردہ کس طرح اسرائیل ایران ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں ——— امریکی ٹی وی ایرانی وفد اور اسرائیلی وفد کی ملاقات کے بارے میں بتلاتا ہے کہ اس ملاقات میں پچاس ملین ڈالر کی رقم کے اسلحہ کا سودا طے ہوا۔ (ص۱۱) عراق ایران جنگ کے ایک کمانڈر جنرل صیاد شیرازی اور اسرائیلی ریٹائرڈ جنرل یعازی کے تعلقات کا چاروں طرف چرچا ہے۔ جنرل یعازی ہی کو اسرائیل نے عراق کے خلاف جنگی امور میں ایران کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ (ص۱۱)۔ عراقی ایٹمی پلانٹ کی تباہی کے سلسلہ میں اسرائیل کے کردار کا پورے یورپی اخبارات میں چرچا ہے (ص۱۲) اور ایرانی قیادت اسرائیل سے اسلحہ وغیرہ جو لے رہی ہے تو اس لئے کہ شاہ کے زمانہ کا جو قرض اسرائیل کے ذمہ ہے اس کی وصولی کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ (ص۱۲)

یہ ہے اسرائیل مردہ باد کے نعرے کی حقیقت۔ اسرائیل ایران کی باہمی دشمنی کی کوئی وجہ نہیں، جس طبقہ نے صدرِ اسلام میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف مبارزت اور دشمنی کا وطیرہ اختیار کیا۔ ان کے اخلاف ہونے کا دعویٰ موجودہ یہود کو ہے اور جو لوگ یہود کے کیمپ سے مفادات کے پیش نظر اسلام کے دعویدار ہوئے ان کے اخلاف کون ہیں؟ ہم یہ بتلا چکے' اس لئے ان دونوں مملکتوں کا آپس میں تار و رول جانا تعجب انگیز نہیں۔ ان عقائد و افکار کے ساتھ جماعتِ صحابہؓ کا جہاں تک حال ہے تو عقیدۃ الطحاوی ص۸۴ مطبوعہ لاہور کے بقول

"تمام صحابۂ کرام کی محبت ہمارا دینی اور اسلامی فرض ہے لیکن اس طرح کہ کسی کی محبت میں حد سے نہ بڑھیں انہیں نیکی کے ساتھ یاد کریں۔ ان کے دشمنوں اور عیب جوؤں کو اپنا دشمن تصور کریں۔"

لیکن شیعہ حضرات: اِنَّ النَّاس کُلَّھُم ارتدوا بعد رسول اللہ غیر اربعہ (کتاب سلیم بن قیس

العامری صد۹۲ مطبوعہ بیروت) کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سب رسول اللہ کے بعد مرتد ہو گئے (معاذ اللہ) بلکہ کتاب الروضہ من الکافی صد۲۴۵، ج ۸ میں محض تین کا اسلام پر رہنا لکھا ہے باقی سب بقول کلینی اہل ردہ تھے اور جناب ابوبکر و عمر کو جبت و طاغوت کے نام سے یاد کرتے ہیں (تنقیح المقال فی احوال الرجال صد۲۰۷، ج ۱ مطبوعہ ۱۳۵۲ھ نجف اشرف) صحابہ علیہم الرضوان کے خلاف تو ان لوگوں کے نظریات ہیں ہی، ان کے مفروضہ اہل بیت بھی ان کی زبان درازیوں سے نہیں بچے۔ کتاب الروضہ میں جناب عباس و عقیل کو ذلیل کہا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت علی کو جبن و بزدلی کا طعنہ ان لوگوں نے دیا۔ (الامالی للطوسی صد۲۵۹ و حق الیقین للمجلسی صد۲۰۳) ـــــ گویا نہ صحابہ کو بخشا نہ اہل بیت کو۔

جب اسلام کی باوقار شخصیات کے خلاف ان کا طرزِ عمل یہ ہو تو پھر بھائی چارگی اور باہمی تعلق کیسا؟ اسی لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے الفرقان لکھنؤ جون ۱۹۸۱ء کے ایک مضمون میں واضح کیا کہ شیعہ حضرات اگر خلوص دل سے اسلامی فرقوں کے قریب آنا چاہتے ہیں تو صحابہ اور امہات المومنین کے متعلق انہیں اپنا طرزِ عمل بدلنا ہوگا کیونکہ افراد اور جماعتوں کی محبوب و محترم شخصیات کے احترام کے بغیر باہمی تعاون کا سوال ہی نہیں لیکن مسئلہ محض ان محبوب شخصیات کے احترام کا ہی نہیں بلکہ اسلام کی بنیاد قرآن حکیم کا سب سے اہم ہے جن کے متعلق شیعہ کہتے ہیں:

"اس کا پورا علم صرف پیغمبر اور ان کے اہلبیت کے پاس ہے اور کسی کے پاس پورا علم نہیں"۔ (امامیہ دینیات ج ۲ صد۱۷)

قرآن عزیز کے متعلق علامہ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں:

> قدیم و جدید دور میں شیعہ کا مجموعی مزاج اور قول یہی رہا ہے کہ قرآن بدل دیا گیا ہے۔ اس میں کمی و بیشی کثرت سے کی گئی ہے۔ (الملل والنحل صد۱۸۲، ج ۴)

آج شیعہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قرآن کو جامع اور مکمل کلام مانتے ہیں۔ اس میں تحریف کے قائل نہیں اور سادہ لوح سُنی بھی ان کے اس مغالطہ کا شکار ہیں۔ کئی شیعہ ذاکرین و واعظین کے نام کے ساتھ حافظ کا سابقہ بھی اس مغالطہ کو تقویت پہنچاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس عقیدہ کا اظہار کہ قرآن محرف نہیں تقیہ کی گرم بازاری ہے اور شیعہ کی مجبوری ـــــ اس فرقہ کی اہم کتاب فصل الخطاب صد۲۷ میں واضح کیا گیا ہے:

> "اصل قرآن پڑھنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا اور مخالفین کو بھڑکانا ہے اس لئے ائمہ نے اصل قرآن پڑھنے سے منع فرمایا"۔

اسی طرح محدث الجزائری کی کتاب انوار النعمانیہ صد۲۱۸ طبع قدیم پر ہے کہ:

"ائمہ نے اس قرآن کو پڑھنے کا امام مہدی تک حکم دیا ہے وہ آئیں گے تو یہ قرآن اٹھ جائیگا اور حضرت علی کا جمع کردہ قرآن امام مہدی ظاہر کریں گے۔"

اور تفسیر مرآۃ الانوار صلا ۳۶ اور صلا ۳۸ پر بھی اسی طرح کی روایات ہیں کہ امام مہدی کے ظہور تک اسی قرآن سے کام چلاؤ ورنہ گڑبڑ ہوگی۔ یہ بات اس حقیقت کا کھلا ثبوت ہے کہ شیعہ اس اصلی اور حقیقی قرآن کو مجبوراً اور تقیۃً پڑھتے ہیں ورنہ اصل قرآن یہ نہیں وہ تو امام مہدی کے پاس ہے وہ آئیں گے تو اسے لائیں گے۔

حضرت علی نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ موجودہ قرآن سے کئی گنا زیادہ ہے اور تحریف سے بالکل پاک۔ (انوار نعمانیہ محدث الجزائری صلا ۲۴)

علماء اہل سنّت نے بڑی محنت سے ان شیعہ علماء کی فہرست مرتب کی ہے جو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

خود شیعہ عالم علامہ طبری نے متعدد علماء شیعہ کے نام لکھ کر آخر میں لکھا ہے: وھو مذھب جمھور المحدثین الذین عثرنا علی کلماتھم (فصل الخطاب ص۲۵)

اور اس موضوع پر ۱۲ انتہائی اہم کتابیں شیعہ نے لکھی ہیں جن میں سے بعض تحریف ہی کے مسئلہ پر ہیں تو بعض کا اکثر حصہ اس مسئلہ کے متعلق انہیں فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب علامہ نوری طبرسی۔ کتاب التحریف احمد بن محمد بن خالد برقی کتاب التنزیل والتحریف شیخ حسن بن سلیمان حلی، کتاب قرأۃ امیر المؤمنین ابو طاہر عبدالواحد بن عمر قمی وغیرہ بڑی اہم ہیں۔ اور ہزار کوششوں کے باوجود شیعہ ان کتابوں کو ناپید نہیں کر سکے ___ لفظی تحریف جس کا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔ اس کے ساتھ معنوی تحریف کا ایک لاتناہی سلسلہ ہے جس کا شیعہ کتابوں میں ذکر ہے۔

مثلاً سورۂ نساء کی مشہور آیت جس میں مشرک کو نہ بخشنے اور مشرک کے ماسواء گناہوں کی بخشش اپنی مرضی پر چھوڑ دی ہے۔ اس میں تفسیر عیاشی صلا ۲۴۵ ج ۱ مطبوعہ تہران میں لکھا ہے کہ اللہ اس کو نہیں بخشے گا جس نے حضرت علی کی ولایت و امامت کا انکار کیا۔ گویا عقیدہ توحید حضرت علی کی ولایت و امامت کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

معنوی تحریف میں سورۂ مائدہ کی آیت بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ کے متعلق تفسیر فرات بن ابراہیم صلا ۶۳ میں ہے کہ جس چیز کے پہنچانے کا حکم اللہ نے دیا وہ حضرت علی کی

خلافت و امامت ہے اور مناقب شہر بن آشوب ص۱۰۷ ج ۲ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے تفسیر البرہان ص۲۰ ج ۴ میں وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرَاھِیْمَ کا معنی لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام علی کے شیعوں میں سے ایک شیعہ تھے۔ اور تفسیر مراۃ الانوار ص۳۰۱ پر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے جو کلام کیا وہ ولایت علی سے متعلق تھا۔ اسی تفسیر کے ص۲۵۸ ج ۱ میں ہے کہ قرآن کے الفحشاء والمنکر سے مراد ابوبکر و عمر ہیں اور البغی سے مراد عثمان غنی اور اسی صفحہ پر ہے کہ فحشاء منکر۔ لبغی۔ خمر۔ میسر، ازلام، انصاب، اوثانُ جبت، طاغوت، میتہ، دم، لحم خنزیر ان سب الفاظ سے صحابہ رسول مراد ہیں۔ اور ص۱۰۱ ج ۱ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا کہ ہمارے دشمنوں یعنی سُنّیوں کی نیکیاں لے کر شیعوں کو دیدو اور محبّانِ اہل بیت کی بدیاں سُنّیوں کو دے دو اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنَاتٍ کا یہی مفہوم ہے ــــــ الغرض اس طرح کی معنوی تحریفات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ جو ان شیعہ کتب میں بکھرا ہوا ہے جو اب بھی چھپ رہی ہیں اور ایران کی اشاعت ہو رہی ہے۔

شیعہ کے نزدیک قرآن کی آیات سترہ یا اٹھارہ ہزار تھیں (فصل الخطاب ص۲۳۸) جبکہ اسی کتاب کے بقول موجودہ قرآن ۶۲۳۶ آیات کا ہے (ص۱۹۱) قرآن کو صحابہ سے پوشیدہ رکھنے میں بقول شیعہ کئی بہتریاں ہیں۔ قرآن کا ان کے حوالے کر دینا دشمن کو ہتھیار دینے کے مترادف تھا اس لئے ان سے چھپا کر رکھا اصل نسخہ امام غائب کے پاس ہے (ص۹۸ فصل الخطاب) انوار نعمانیہ ص۲۶۴ پر ہے کہ مسجد میں نازل ہونے والا قرآن حضرت عثمان وغیرہ لکھتے گھر میں نازل ہونے والا صرف حضرت علی ــــ اور موجودہ قرآن محض حضرت عثمان والا ہے۔ کلینی جیسے معتبر شیعہ عالم کی کتاب کافی ص۶۳۴ ج ۲ پر بھی قرآن کی سترہ ہزار آیات کا واضح ذکر ہے یہ روایت کلینی نے کتاب فضل القرآن میں نقل کی اور واقفین حال جانتے ہیں کہ کافی شیعہ کے نزدیک معتبر ترین کتاب ہے اور اس کی بات بڑی وزنی ہے، قرآن کی تحریف اور تبدیلی کے بارے میں شیعہ کے بڑے بڑے اکابر و مشائخ کے اس ضمن میں جو اقوال ہیں انہیں الشیعہ والقرآن مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء میں تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔ کیا محدث اور کیا مفسر کیا علماء کلام اور کیا دوسرے سبھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور یوں یہ ان کا اجماعی عقیدہ ہے اور اس ضمن میں ہم بعض کتابوں کا پہلے ذکر کر چکے ہیں جن میں فصل الخطاب فی

تحریف کتاب رب الارباب سب سے زیادہ اہم ہے جس کے مصنف نے تحریف قرآن پر اتنی کھل کر گفتگو کی ہے کہ کوئی شیعہ اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا اور اگر کسی میں جرأت ہے تو فیصلہ کرنا ہوگا کہ اس کا مصنف کون تھا؟ اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ مشہور شیعہ عالم السید نعمت اللہ الجزائری سے منقول ہے کہ وہ روایات جو قرآن کریم کی کمی زیادتی سے متعلق وارد ہیں ان کی تعداد دو ہزار سے زائد ہے (الشیعہ والقرآن ص۱۶۴)

نامناسب نہ ہوگا کہ یہ بھی عرض کر دوں کہ قرآن عزیز کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۹۹ سورتوں کے متعلق شیعہ عمائدین کی کتب میں متعدد روایات مندرج ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ انہیں کیا کیا کمی بیشی ہوئی۔

پہلی سورۃ الفاتحہ ہے جسے عام سے عام مسلمان جانتا ہے۔ اس میں بقول تفسیر قمی اھدنا الصراط المستقیم صراط من انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم وغیر الضالین الخ کا جملہ تھا اور ایک روایت کے مطابق اھدنا الصراط المستقیم کے ساتھ صراط الانبیاء وھم الذین انعم اللہ علیہم غیر المغضوب علیہم الیھود وغیر الضالین النصاری پوری آیت تھی مجموعی طور پر ۱۴ روایات ہیں جو صرف الفاظ کی کمی بیشی پر دلالت کرتی ہے۔

سورۃ العصر کی ۶ روایات میں سے ایک یہ ہے والعصر ان الانسان لفی خسر وانہ فیہ الی آخر الدھر۔

سورۃ کوثر کے متعلق ہے: انا اعطینٰك الکوثر فصل لربك وانحران شانئك عمرو بن العاص ھو الابتر۔

گویا حضور علیہ السلام کے مخصوص صحابی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہاں دشمن نبی بنا دیا گیا ہے۔

سورۂ اخلاص جیسی مشہور و عام سورۃ کے متعلق ۸ روایات میں سے ایک یہ ہے۔

قل ھو اللہ احد لا الہ الا اللہ الواحد الصمد ــــــ و فی آخرہ کذالك اللہ ربنا کذالك ربنا و رب آبائنا الاولین

چند مختصر سورتوں کے متعلق ان نمونہ کے حوالہ جات سے اس اسکول کی ذہنیت کا اندازہ ہو جانا چاہیے کہ ان کے نزدیک اس قرآن کی کیا حقیقت ہے؟ یہی وجہ ہے

کہ السید محب الدین الخطیب المرحوم نے نہایت جامعیت کے ساتھ شیعہ عقائد پر مشتمل ایک مختصر رسالہ مرتب کیا جس میں قرآن کریم، حدیث، صحابہ، عقیدۂ توحید، رؤیتِ باری، علمِ غیب، آلِ رسول، شریعت و حقیقت، فقہ، جلاء، تقیہ، امامت جیسے بنیادی مسائل پر تقابلی انداز میں روشنی ڈالی اور بتایا کہ جب بنیادوں میں اتنا تضاد ہو تو پھر باہمی اجتماع کی کیا کیا صورت ہوسکتی ہے؟

برِعظیم میں حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری جیسے اکابر و اعلام نے انہی عقائد و نظریات کی بنیاد پر اس اسکول کے متعلق بسط و تفصیل سے کتابیں لکھیں اور بتلایا کہ اہلِ سنت و اہلِ تشیع میں کتنا بُعد و تضاد ہے۔

لیکن وہ بزرگ جس نے سب سے پہلے شیعہ کے عقیدہ تحریف قرآن پر مدلل گفتگو کی اور باقی علماء داعیان کو بھی توجہ دلائی وہ امام اہلِ سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔

مولانا المرحوم نے لکھنؤ جیسے شہر میں مدتوں نہایت جرأت و پامردی سے شیعی مزعومات کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ مولانا نے ایک مفصل فتویٰ مرتب کیا جس میں تبلایا کہ شیعہ کی معتبر کتابوں میں دو ہزار سے زائد روایات تحریف قرآن کے سلسلہ میں موجود ہیں۔ یہ تحریف کمی بیشی، تبدیل حروف، خرابی ترتیب، سورتوں، آیات اور کلمات کی ترتیب میں گڑبڑ، گویا یہ پانچ قسم کی تحریف ان روایات سے ثابت ہے اور یہ کہ شیعہ عمائدین انہیں متواتر روایات کہتے اور انہی کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں۔

مولانا نے جس تحقیق و تدقیق سے یہ تفصیلات فراہم کیں ان پر علماء نے انہیں خراجِ تحسین پیش کیا اور ان کی تحریری تائید کی۔ ان تائید کنندگان میں مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری، مولانا السید حسین احمد مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے عمائدین شامل تھے۔ یہ ۱۳۴۸ھ یعنی آج سے ۵۶ سال قبل کی بات ہے۔ اس وقت شیعہ کسی حکومت و سلطنت کے مالک نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس قسم کی تصنیفات تیزی سے شائع کر رہے تھے

جس کا علماء کو مجبوراً سخت نوٹس لینا پڑا۔ آج جبکہ خالص مذہبی بنیادوں پران کی ایک حکومت قائم ہے جو اس طرح کا ردیہ اپنائے ہوئے ہے کہ گویا ہر جگہ کافر مسلط ہیں اور ان کو نیچا دکھانا اس کا فرض ہے تو اہلِ سنّت کا اجتماعی فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور کتاب مقدس کی حفاظت وصیانت اور اس کی اشاعت و ترویج کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں ان پر ہیں انہیں پورا کریں۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب کی اصل محافظ خود اس کو اتارنے والی ذات ہے اور وہ ظلمت کدہ ہند میں سکھ گھرانوں میں مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا احمد علی لاہوری جیسے افراد پیدا کر کے اپنی کتاب کی خدمت لے سکتی ہے تو آج بھی کسی اور کو کھڑا کر دینا اس کے لیے مشکل نہیں اور اس قسم کی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مدعیانِ دین غفلت کا شکار ہو جائیں ــــ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ اقلیت جس کی آبادی یہاں دو فیصد سے زائد نہیں وہ تو اتنی جری اور منہ زور ہو کہ سب کچھ کر گذرے لیکن ۹۸ فیصد مدعیانِ اسلام و دین ایسے غافل ہوں کہ انہیں نہ اپنے دین کا احساس ہو نہ آسمانی کتاب کا۔

وہ لوگ بلاشبہ مستحق تبریک ہیں جو اس دورِ فتن میں دعوت و عزیمت کی کٹھن راہ اپنائے ہوئے ہیں۔ اے کاش ہر شتی کلمہ گو کو یہ احساس نصیب ہو جائے اگر ایسا ہوا تو پھر شرق و غرب میں ہمارا غلغلہ بلند ہو گا۔ اور ہم اپنی حیاتِ اجتماعی کے المناک دور سے نکل کر ایک روشن اور خوش گوار دور میں داخل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ حسنِ عمل کی توفیق دے۔

بقیہ: الشّمس

ملا کے مطابق رکھا:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا ـ

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے دین پر چلنے اور عمل کرنے میں استقامت عطا فرمائے۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم
ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم